اقوال زرّیں

- ❑ مرد اگر دین دار ہوجائے تو دین گھر کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے اور اگر گھر کی عورت دین دار ہوجائے تو دین نسلوں تک پہنچ جاتا ہے۔
- ❑ ہمیشہ اس وقت بولیں جب آپ کو احساس ہو کہ آپ کے الفاظ جو آپ کہنے جارہے ہیں آپ کی خاموشی سے زیادہ خوب صورت ہیں۔

مسلم خواتین کا بچوں کی تعلیم وتربیت میں رول

خواجہ عبدالمنتقم

اسلام نے عورت کو تاریکی کے غار سے نکال کر ایک روشن مستقبل کی طرف گامزن کیا تھا اور ترقی کے اس عمل میں عورت کو برابر کے حقوق دیے۔ اس حدیث کی کہ علم حاصل کرو چاہے چین (یعنی دوردراز علاقہ) ہی کیوں نہ جانا پڑے، معنویت تاہنوز باقی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہاں تعلیم سے مراد صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں بلکہ ہر طرح کی تعلیم بشمول دینی تعلیم مراد ہے مگر اس کے باوجود کچھ جنونی لوگ مسلم بچیوں اور خواتین کو صرف گھر کی چہار دیواری میں محدود کرکے تعلیم سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو ان کی مرضی، شاید وہ مسلمانوں کو پھر عہد جاہلیت میں لے جانا چاہتے ہیں۔ ہر کامیاب انسان کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے۔ اگر اس مقولے کو صحیح مان لیا جائے تو یہ عورت ماں بھی تو ہوسکتی ہے۔ علی برادران کی ماں اماں بی اس کی ایک انتہائی معتبر مثال ہیں۔ جس طرح charity begins from home یعنی صدقہ گھر سے شروع ہوتا ہے، اسی طرح ایک بچہ کی تربیت کا آغاز بھی گھر سے ہوتا ہے اور اسی لیے گھر کو بچے کی تربیت کی پہلی منزل کہا جاتا ہے۔

ماں کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلائے اور تادیبی و اخلاقی زیور تعلیم سے آراستہ کرائے۔ اب یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسلم خواتین، خواہ بنا پڑھی لکھی ہی کیوں نہ ہوں اور دیہاتوں میں رہتی ہوں، تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے لگی ہیں اور اقتصادی پسماندگی اور کبھی کبھی سماجی مخالفت کے باوجود اپنے بچوں کو بہتر سے بہتر تعلیم دلانے کے لیے آگے آرہی ہیں۔ اب یہ قیاس کہ جدید تعلیم حاصل کرنے کا مطلب شرم وحیا کو بالائے طاق رکھنے کے مترادف ہے محض دماغی اختراع ہے۔ آج کی بچیاں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حیا ہی انسان کو معصیت، گناہ، نافرمانی اور کسی بھی برے کام سے روکتی ہے۔ جہاں ذاتِ گرامی قدر حضرت رسالت مآبؐ میں دوسرے اوصاف حمیدہ بدرجہ اتم موجود تھے، وہاں آپؐ شرم وحیا کی صفت میں بھی ممتاز ومنفرد تھے۔

دراصل ماں اور بچے کے مابین ایک اٹوٹ رشتہ ہے اور ماں بچے کو بچپن سے جو کچھ سکھاتی ہے، اس کا اثر تاحیات باقی رہتا ہے۔ اگر ماں اپنے بچے کو بروقت برے کام سے دور رہنے کی نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے نصیحت کرتی رہے گی تو وہ یقینی طور پر ایک اچھا انسان بنے گا۔ خواتین کا ہر شعبۂ حیات میں الگ الگ رول ہوتا ہے جیسے بطور ماں، بطور استانی، بطور بیوی، بطور سیاست داں، بطور سماجی کارکن، بطور ایڈمنسٹریٹر اور بطور سفارت کار وغیرہ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر شعبۂ حیات میں نمایاں کردار و بہتر رول تبھی ادا کرسکتی ہے جب وہ تعلیم یافتہ ہو یا اسے علمی ماحول ملے۔

والدین آج کی نوجوان نسل میں بڑھتی بے راہ روی سے پریشان ہیں مگر وہ لوگ جو اپنے بچوں کی بے راہ روی کی شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کبھی کبھی وہ خود بھی کسی حد تک اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں چونکہ بچوں کی بے راہ روی ان کی بچوں کے تئیں عدم توجہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بچے ہمارے کل کے رہنما، ہمارے ملک وقوم کے مستقبل کے امین اور موجودہ نسل کے جانشین ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے بروقت ان کی صحیح تربیت نہیں کی تو وہ کیا رہنمائی کر پائیں گے؟ ماں باپ کی ہمیشہ یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ان سے بہتر ہو۔ اسی طرح ہر موجودہ نسل یہ چاہتی ہے کہ آنے والی نسل موجودہ نسل سے بہتر ہو اور اپنے ملک اور قوم کا نام روشن کرے۔ بچے بلاشبہ اس درخت کی مانند ہوتے ہیں جو ایک چھوٹے سے پودے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی جڑیں مضبوط ہوتی رہتی ہیں اور جب اس کی جڑیں مکمل طور پر مضبوط ہوجاتی ہیں، تبھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ ایک مکمل درخت بن چکا ہے۔ اسی طرح ایک بچہ جس کی نشوونما صحیح طریقے سے کی جائے اور جس کی بنیاد مضبوط ہو، وہ یقینا کل کا اچھا شہری بنے گا اور وہ نہ صرف اپنے ملک کے لیے بلکہ پوری عالمی برادری کے لیے ایک بہترین سرمایہ ہوگا۔

تمام ممالک اور دنیا کے تمام لوگ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ بچوں کی اچھی نشوونما ہونی چاہیے۔ ان کی اچھی نشوونما کے لیے والدین کو ان کی بہتر تعلیم کے ساتھ ساتھ درج ذیل باتوں پر بھی دھیان دینا ہوگا:

جائزہ

☆ بچوں کے دوستوں اور بچیوں کی سہیلیوں پر خاص نظر رکھیں چونکہ پرانی کہاوت ہے کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے اور فہم عامہ کی رو سے بھی یہ صحیح قیاس ہے۔

☆ آج کل ہم بچوں کو الگ کمرہ، کمپیوٹر اور موبائل جیسی سہولیات دے کر ان کی طرف سے غافل ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان میں کیا دیکھ رہے ہیں۔ بچوں پر نظر رکھنا سخت ضروری ہے لیکن ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں بلکہ محبت سے اور پیار سے کام لیں اور ہوسکے تو خود ان کے ساتھ بیٹھ جائیں مگر انہیں یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ کوئی زبردستی ہورہی ہے۔

> آج کل ہم بچوں کو الگ کمرہ، کمپیوٹر اور موبائل جیسی سہولیات دے کر ان کی طرف سے غافل ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان میں کیا دیکھ رہے ہیں۔ بچوں پر نظر رکھنا سخت ضروری ہے لیکن ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں بلکہ محبت سے اور پیار سے کام لیں اور ہوسکے تو خود ان کے ساتھ بیٹھ جائیں مگر انہیں یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ کوئی زبردستی ہورہی ہے۔

☆ بچہ اچھی یا بری ہر قسم کی چیز کا اثر فوراً قبول کرتا ہے، اس لیے اس کی دلچسپی دیکھتے ہوئے اسے کسی صحت مند مشغلہ میں مصروف رکھیں۔ ٹی وی وغیرہ میں انہیں معلوماتی پروگرام اور صاف ستھرے سیریل وغیرہ دیکھنے اور ویڈیو گیمز کھیلنے سے نہ روکیں لیکن اعتدال سے کام لیں۔ زیادہ سختی کرنے سے بھی بچہ کی نفسیات پر منفی اثر پڑتا ہے اور وہ باغی بھی ہوسکتا ہے۔

☆ ایسے کھیل جن میں جسمانی مشقت زیادہ ہو، وہ بچوں کے لیے بہترین ہوتے ہیں تاکہ بچے کھیل کود میں خوب تھکیں اور اچھی، گہری نیند سوئیں مگر کھیل کے وقت کھیل اور کام کے وقت کام یعنی پڑھائی کے وقت پڑھائی کے اصول کو نظر میں رکھیں۔

☆ لڑکے اور لڑکی کو برابر سمجھیں اور ان کے ساتھ کسی بھی طرح کا امتیاز نہ برتیں۔ یہ والدین کی نہ صرف اخلاقی بلکہ قانونی ذمہ داری بھی ہے۔

☆ والدین بچوں کے سامنے ایک دوسرے سے بے تکلفی کے معاملے میں احتیاط برتیں ورنہ بچے وقت سے پہلے ان باتوں کے متعلق باشعور ہوجائیں گے جن سے ایک مناسب عمر میں جا کر ہی آگاہی مناسب ہوتی ہے۔

☆ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو بتائیں کہ اس دنیا میں سب انسان برابر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ کوئی کسی مالدار گھر میں پیدا ہوتا ہے کوئی کسی غریب گھر میں لیکن انسان، انسانیت اور انسانی حقوق کی رو سے ہر وہ شخص برابر ہے جو اس دنیا میں آیا ہے۔ نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ کوئی بڑا۔ ویسے بھی انسان بڑا یا چھوٹا اپنے کام سے ہی بنتا ہے۔ حقیر اور کمتر وہ ہے جو کم ظرفی کا مظاہرہ کرے، دوسروں کو حقیر سمجھے اور خود کو دوسروں سے اعلیٰ تر۔ قانونی، اخلاقی، دینی اور دنیوی اعتبار سے، ہم تمام انسان برابر ہیں اور کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے یا اس کے ساتھ غلط سلوک کرے۔

(مضمون نگار ماہر قانون، آزاد صحافی، مصنف، سابق بیورکریٹ وبین الاقوامی ادارہ برائے انسانی حقوق سوسائٹی کے تاحیات رکن ہیں)

amkhwaja2007@yahoo.co.in

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA MUMBAI

منی پور: اب بھی صرف میٹنگ کیوں؟

کہتے ہیں فساد صرف جان و مال کی تباہی کا ہی سبب نہیں بنتا بلکہ انسانی معاشرے پر اس کے ہمہ گیر اثرات ہوتے ہیں۔ اس کا بروقت تدارک اور انسداد نہیں کیا گیا تو رویہ کی تبدیلی کا موجب بننے والے یہ اثرات انسانی تمدن تک کو تباہی کی منہج پر لا ڈالتے ہیں۔ یہی کچھ آج منی پور میں ہورہا ہے۔ شمال مشرقی ہندوستان کی اس چھوٹی سی پہاڑی ریاست میں کوکی اور میتئی قبائل کے درمیان جاری پرتشدد فساد کا ایک سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور وہاں اب تک قیام امن کی کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت کی نااہلی اور مرکز کی عدم دلچسپی کی وجہ سے نسلی تعصب کا زہر پہاڑ سے اتر کر میدان کے باسیوں میں سرایت کرچکا ہے۔ وہاں ہر روز تشدد پھوٹتا ہے اور لوگ مارے جاتے ہیں۔ اب بھی ہجوم پولیس اسٹیشنوں اور اسپیشل فورسز کی چوکیوں پر حملہ کرتے ہیں اور ہتھیار لوٹتے ہیں۔ سیکورٹی فورسز ان پر قابو پانے میں ناکام نظر آتی ہیں۔ صورتحال کی خرابی کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ سماج تو دو حصوں میں تقسیم ہوا ہی تھا، انتظامیہ بھی دو حصوں میں بٹ چکا ہے۔ میتئی علاقوں میں کوکی سیکورٹی اہلکاروں کی تعیناتی نہیں کی جاسکتی ہے اور کوکی علاقوں میں میتئی سیکورٹی اہلکاروں کی تعیناتی ممکن نہیں رہی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرپرست راشٹریہ سویم سیوک سنگھ بھی اس پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس کے تدارک کی ضرورت پر زور دے رہا ہے۔ سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت نے گزشتہ ہفتہ کہا تھا کہ منی پور میں امن کا انتظار کرتے ہوئے ایک سال ہوگیا ہے۔ گزشتہ 10 برسوں سے ریاست میں امن تھا، لیکن اچانک ریاست میں گن کلچر ایک بار پھر بڑھ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ پرانا گن کلچر ختم ہوگیا ہے۔ کیا وہاں اختلاف اچانک پیدا ہوا یا پیدا کیا گیا، اس کی آگ ابھی تک جل رہی ہے، بھڑک رہی ہے اور اس پر کوئی توجہ نہیں؟ اس پر ترجیحی بنیادوں پر غور کرنا ہمارا فرض ہے۔

غالباً یہ سرسنگھ چالک کے مشورہ، تنبیہ اور تادیب کا ہی اثر ہے کہ مرکزی حکومت اب انگڑائی لے کر بیدار ہوئی ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ امت شاہ نے منی پور کے حالات کا جائزہ لینے کیلئے گزشتہ دنوں اعلیٰ سطحی میٹنگ طلب کی۔ اس میٹنگ میں امت شاہ کے ساتھ مرکزی داخلہ سکریٹری اجے بھلا، انٹیلیجنس بیورو چیف تپن ڈیکا، آرمی چیف جنرل منوج پانڈے، منی پور کے سیکورٹی ایڈوائزر کلدیپ سنگھ، منی پور کے چیف سکریٹری ونیت جوشی، منی پور کے ڈی جی پی راجیو سنگھ اور آسام رائفلز کے ڈی جی پردیپ چندرن بھی موجود تھے۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وزارت داخلہ میتئی اور کوکی قبائل سے بات چیت کرے گی۔ وزیر داخلہ امت شاہ نے منی پور کے چیف سکریٹری ونیت جوشی کو ہدایت دی کہ وہ بے گھر لوگوں کیلئے صحت اور تعلیم کی مناسب سہولیات اور ان کی بازآبادکاری کو یقینی بنائیں۔ اس میٹنگ کے بعد وزارت داخلہ کی طرف سے جاری ایک بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضرورت کے مطابق ریاست میں مرکزی فورسز کی تعیناتی میں اضافہ کیا جائے گا۔ ریاست میں امن اور ہم آہنگی کی بحالی کیلئے فورسز کو حکمت عملی کے ساتھ تعینات کیا جانا چاہیے۔ منی پور میں تشدد پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ مقام حیرت ہے کہ اس اعلیٰ سطحی میٹنگ سے منی پور کے وزیر اعلیٰ بیرین سنگھ غائب رہے۔ اب یہ تو وزارت داخلہ ہی بتائے گی کہ انہیں مدعو کیا گیا تھا یا نہیں لیکن اس سے اس بات کا اندازہ ضرور ہورہا ہے کہ ڈبل انجن کی منی پور حکومت کے ’سربراہ‘ سے بی جے پی کا اعتماد اٹھ گیا ہے اور وہ اپنی نااہلی کے سبب ریاست میں اضافی پرچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اصل قوت واقتدار مرکز کو حاصل ہے، اس لیے انہیں ریاست کے سیکورٹی معاملات سے دور رکھا گیا ہے۔

اگر ایسا ہے تو مرکز کو فوری طور پر بیرین سنگھ کو ہٹا کر ریاست کی کمان کسی دوسرے کو سونپنی چاہیے یا پھر وہاں صدر راج نافذ کرکے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہئیں، مگر مرکز ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا رہا ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی سیاسی مجبوری ہو لیکن بی جے پی کی اس سیاسی مجبوری کی قیمت منی پور کے عوام کو اپنی جان ومال لٹا کر ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ ایک سال سے زائد کا عرصہ ہوچکا ہے مگر وزیر اعظم منی پور نہیں گئے ہیں۔ تیسری بار اقتدار سنبھالتے ہی وہ جی 7۔ سربراہ اجلاس میں شرکت کیلئے اٹلی چلے گئے مگر انہیں منی پور جانے کی فرصت نہیں ملی، اسی طرح وزیر داخلہ بھی صرف ایک بار منی پور گئے مگر حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی۔ اب وزیر اعلیٰ کے قافلے پر حملہ اور ان کے گھر کے پاس آتشزدگی ہورہی ہے۔ انتظامیہ دو حصوں میں بٹ چکا ہے اور وزیر داخلہ وہاں سے لوٹنے کے ایک سال بعد آج دہلی میں میٹنگ کرکے بتارہے ہیں کہ حکومت میتئی اور کوکی قبائل سے بات چیت کرے گی۔

سوال یہ ہے کہ یہ بات چیت ایک سال کے عرصہ کے دوران کیوں نہیں کی گئی؟ اور اگر کی گئی تھی تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ وزیر اعلیٰ بیرین سنگھ اگر نااہل ہیں اور ان پر اعتماد نہیں ہے تو انہیں ہٹایا کیوں نہیں جارہا ہے؟ بدامنی کی آگ میں جل رہے منی پور میں صدر راج لگانے کی راہ میں کون سی مجبوری ہے؟ ان سوالات کا جواب ضرور ملنا چاہیے تاکہ عوام کو یقین ہوسکے کہ وہ منی پور میں حالات کو معمول پر لانے کی سنجیدہ کوشش کررہی ہے۔

edit2sahara@gmail.com

ہمارا آئین تفریق کی اجازت نہیں دیتا ہے

پروفیسر اسلم جمشید پوری

عجیب ہیں یہاں کے لوگ۔ ہندوستان تو سارے جہاں سے اچھا ہے، ہم ہندوستانیوں نے اسے مختلف رنگوں میں رنگ دیا ہے۔ یہاں کا آئین، سبھی مذہب کے لوگوں کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ ہر مذہب کے ماننے والے اپنی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔ کوئی بھی لباس پہن سکتے ہیں۔ کچھ بھی کھانا کھا سکتے ہیں۔ اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کرسکتے ہیں۔ ہاں کسی کو بھی اپنا مذہب اپنانے پر دباؤ نہیں بنا سکتے اور کسی کو مجبور نہیں کرسکتے۔ اس ملک کا آئین سبھی مذاہب کی حفاظت کا بھی ذمہ لیتا ہے۔ اسی لیے ہندوستان کو ’’کثرت میں وحدت‘‘ والا ملک کہتے ہیں۔

ہمیں آزادی ملے ہوئے 76 سال ہوگئے اور اپنا آئین نافذ ہوئے بھی 74 برس ہوگئے۔ ان 74 برسوں میں ہم نے بہت ترقی کی ہے۔ تعلیم، معاش، کھیل، سائنس، فوجی طاقت، ایجادات، کھیتی باڑی، روڈ راستے، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، کار، بس، موٹرسائیکل، میڈیا، سوشل میڈیا، آئی ٹی، اونچی اونچی عمارتیں، آفس، فلیٹ، آڈیٹوریم، اسٹیڈیم غرض جدھر دیکھیں ترقی ہی ترقی دکھائی دیتی ہے۔

سیاسی اعتبار سے بھی ہم نے خوب ترقی کی ہے۔ دنیا میں ہمارا الگ مقام ہے۔ تقریباً ہر معاملے میں اس وقت ہندوستان تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہے۔ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے ممالک تو ہندوستان کی طرف ایک امید سے دیکھتے ہیں۔

ان 76 برسوں میں ہم نے بہت سے فرقہ وارانہ فسادات بھی دیکھے، ان میں کئی تو بے حد خطرناک تھے۔ جمشید پور، بھاگلپور، مرادآباد، میرٹھ اور بابری مسجد کے انہدام کے وقت پھیلے فسادات آج تک اپنی شدت کے ساتھ ذہنوں میں زندہ ہیں۔ نئی صدی میں فرقہ وارانہ فسادات نے نئی کہانی لکھی ہے۔ بابری مسجد انہدام کے بعد گودھرا فساد، گجرات فساد، مظفرنگر فساد نے ہندو۔ مسلم نفرت کو مزید ہوا دی۔ فرقہ واریت شہروں تک محدود نہ رہی اور گاؤں دیہات بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ ملک کو اکثریت اور اقلیت نامی فرقوں میں تقسیم کیا گیا۔ 2014 میں بھگوا رنگ کی سرکار بنی۔ نریندر مودی وزیر اعظم بنے۔ نریندر مودی نے مسلم ووٹ کے بغیر کامیابی حاصل کی۔ 2014 سے اس ملک میں ایک نئی طرح کی سیاست شروع ہوئی، جس کا مرکز ہندو۔ مسلم تھے۔ اس سیاست نے اقلیتوں میں خوف اور ڈر پیدا کیا۔ اکثریتوں میں حد درجہ اعتماد (جو مسلمانوں کے خلاف ایکشن اور نفرت) نے پیدا کیا۔ اس سیاست نے پورے ملک میں مسلم مخالف ماحول پیدا کیا جسے اترپردیش کی سیاست نے بلڈوزر کے استعمال سے اور زیادہ صیقل کیا۔ ہجومی تشدد، لوجہاد، مسجد، مدرسہ، مائک، حجاب، تین طلاق، دفعہ 370، الغرض ہر طرح سے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز ماحول پیدا کیا گیا۔

گزشتہ کچھ برسوں میں مسلمانوں کے ذریعہ سڑکوں پر نماز پڑھنے کو لے کر ملک کی مختلف ریاستوں میں پولیس ایکشن تک لیے جارہے ہیں۔ سڑکوں پر نماز پڑھنے والوں کے خلاف ایف آئی آر درج کی جارہی ہے۔ واضح ہو کہ مسلمان تین موقعوں پر کثیر تعداد میں نماز ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی ہے کہ عیدگاہیں اور مساجد بھی ناکافی ہو جاتی ہیں۔ یہ تین مواقع الوداع جمعہ، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہوتے ہیں۔ مسلمان مجبوراً سڑکوں پر صفیں بنا لیتے ہیں۔ میرا ماننا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اسلام کسی کو تکلیف دینا نہیں سکھاتا۔ اسلام کی کوئی عبادت ایسی نہیں جو دوسروں کے لیے دقتیں پیدا کرے۔ آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد سے تقریباً 70 سال تک کسی سیاسی جماعت نے کبھی سڑکوں پر نماز پڑھنے پر اعتراض نہیں کیا۔ جامع مسجد، دہلی پر الوداع جمعہ کی نماز کی صفیں مسجد سے نکل کر اردو بازار، سبھاش پارک، مینا بازار سے ہوتی ہوئی لال قلعے اور جامع مسجد کے درمیان کی شاہراہ (جو دریا گنج کو جاتی ہے) پر پھیل جاتی ہیں۔ اس پر تو کبھی کسی سرکار نے آواز نہیں اٹھائی یا کوئی ایکشن نہیں لیا، کیوں کہ مسلمان سال میں تین مواقع پر کل ملا کر آدھا گھنٹہ فی نماز وقت لگاتے ہوں گے۔

اب ایک دوسرا منظر نامہ دیکھئے۔ ہر سال ساون کے مہینے میں ہندو بھائیوں کی کانوڑ یاترا نکلتی ہے۔ ہندو بھائی ہری دوار سے جل لاتے ہیں۔ وہ ایک طرف کا سفر تو بسوں اور ٹرینوں سے کرتے ہیں۔ واپسی میں جل لے کر پیدل اپنے اپنے گاؤں، شہر، محلے کے شیو مندر پر لاکر چڑھاتے ہیں۔ ہر سال عقیدت مندوں کی تعداد میں بے انتہا اضافہ ہورہا ہے۔ جل لانے کے اس عمل میں اتراکھنڈ، مغربی اترپردیش، دہلی اور ہریانہ براہِ راست ملوث اور متاثر ہوتے ہیں۔ سڑکوں کی دونوں جانب ایک ایک کلومیٹر کے فاصلے سے بڑے بڑے پنڈال اور کیمپ لگتے ہیں، جن میں کھانے پینے، نہانے اور آرام کرنے کے انتظامات ہوتے ہیں۔ ان میں سرکاری پنڈال بھی ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی بھائی چارے کے فروغ کے لیے مختلف مقامات پر کیمپ لگا کر کانوڑ یاتریوں کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں کھانے پینے کی چیزیں دیتے ہیں۔ تقریباً پندرہ دن تک کانوڑ یاترا کے راستے کے دونوں طرف کی گوشت کی دکانیں اور ہوٹل بند کردیے جاتے ہیں۔ شاہراہ میں موجود کٹ کو بلّیوں سے بند کردیا جاتا ہے۔ ایک ہفتے تک ایک سائڈ کانوڑ یاتریوں کے لیے اور ایک سائڈ میں آنے جانے والے ٹریفک کو منظوری دی جاتی ہے۔ ایک ہفتہ قبل شاہراہوں اور چھوٹے بڑے سبھی راستوں پر ہر طرح کا ٹریفک بند کردیا جاتا ہے۔ بسیں بھی دوسرے روٹ سے آتی جاتی ہیں، جس کا سیدھا اثر عوام پر کرایہ میں اضافے کی شکل میں پڑتا ہے، جبکہ عوام کا کوئی قصور نہیں۔ بڑھے کرایہ کو سرکار کو خود برداشت کرنا چاہیے۔ ایک ہفتے تک کئی ریاستوں کے مختلف شہروں کی زندگی بالکل مفلوج ہوجاتی ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنے گھروں میں قید ہوکر رہ جاتے ہیں۔ قومی شاہراہوں اور شہروں کے بیچوں بیچ سے گزرنے والے راستوں کو بند کرنے والے لوگوں پر ایکشن کیوں نہیں ہوتا؟ ان پر ایف آئی آر کیوں درج نہیں ہوتی؟ بلکہ انعام کے طور پر وزیر اعلیٰ ہیلی کاپٹر سے ان پر پھول برساتے ہیں۔ پھر مسلمانوں پر کیس کیوں؟ کیا ہمارا آئین اس تفریق کی اجازت دیتا ہے؟ اگر دیتا ہے تو اس کا دفعہ نمبر کیا ہے؟ شاید ہمیں اس کی جانکاری نہ ہو؟ یہ دوہرا معیار کیوں؟ مسلمانوں کے خلاف صرف سڑکوں پر سال میں تین مواقع پر (آدھے گھنٹے کے لیے) نماز پڑھنے کے عوض ایف آئی آر کیوں؟ یا تو علانیہ اس بات کو کہیں کہ ہم آئین کو نہیں مانتے؟ ہم مسلمان اور ہندوؤں میں فرق کرتے ہیں؟ ایک ہی کام کانوڑ یاتریوں کے لیے جائز ہے اور مسلمانوں کے لیے ناجائز؟ کانوڑ یاترا میں پندرہ دن کے لیے زندگی مفلوج ہوجاتی ہے اور ہر کسی کو پریشانی ہوتی ہے۔ پریشان ہونے والوں میں مسلمان ہی نہیں، بلکہ ہندو، مسلم، سکھ، بودھ، جین، عیسائی غرض عوام کے ایک بڑے طبقے کو ہفتوں تکلیف جھیلنی پڑتی ہے۔

بے لاگ

> کیا ہمارا آئین اس تفریق کی اجازت دیتا ہے؟ اگر دیتا ہے تو اس کا دفعہ نمبر کیا ہے؟ شاید ہمیں اس کی جانکاری نہ ہو؟ یہ دوہرا معیار کیوں؟ مسلمانوں کے خلاف صرف سڑکوں پر سال میں تین مواقع پر (آدھے گھنٹے کے لیے) نماز پڑھنے کے عوض ایف آئی آر کیوں؟ یا تو علانیہ اس بات کو کہیں کہ ہم آئین کو نہیں مانتے؟ ہم مسلمان اور ہندوؤں میں فرق کرتے ہیں؟ ایک ہی کام کانوڑ یاتریوں کے لیے جائز ہے اور مسلمانوں کے لیے ناجائز؟

یہ سب کیا ہے؟ کیا ہندوستان کی کوئی ریاست سیکولر نہ ہو کے، مذہبی ہوسکتی ہے؟ کیا مرکزی یا صوبائی سرکار کسی ایک مذہب کی ہوسکتی ہے؟ نہیں۔۔۔؟ اس کے لیے پہلے ملک کا آئین بدلنا ہوگا جو ایک خواب سے کم نہیں۔ مسلمانوں کے خلاف کیس بنانے والے ہندوستانی آئین کو اچھی طرح پڑھ لیں۔ کوئی بھی ایکشن لیں تو کسی خاص مذہب کو سامنے نہ رکھیں۔ عوام اور شہریوں کو پریشان کرنے والے سب ایک ہوں، سب کے خلاف یکساں ایکشن ہو، جرم کرنے والا ہندو ہو یا مسلمان سب برابر ہیں۔

aslamjamshedpuri@gmail.com

مراسلات
LETTERS

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

سیاست میں کچھ بھی ناممکن نہیں

مکرمی!

ادارتی صفحہ پر جناب صبیح احمد صاحب کا مضمون بعنوان ’جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے‘ ملک میں منعقدہ حالیہ پارلیمانی انتخابات کے نتائج پر برجستہ طنز ہے کیونکہ گزشتہ اور گزشتہ سے پیوستہ دونوں الیکشن نیز اسی دوران سارے ریاستی اسمبلی انتخابات بھی وزیر اعظم نریندر مودی کی مقبولیت کے دم پر لڑے گئے اور حکمراں بی جے پی کو زبردست فیض پہنچا اور شاید اسی جوش میں ’گانگریس مکت‘ بھارت کا نعرہ بھی خوب گونجا۔ حسب سابق 2024 کے پارلیمانی انتخابات بھی اسی جوش وخروش سے ’نریندر مودی‘ کے نام پر ’اب کی بات 400 کے پار‘ کے نعرے کے ساتھ لڑے گئے لیکن اس مرتبہ پارٹی کو بر خلاف امید شدید خسارے کے سامنا رہا اور پارٹی کو حکومت بنانے کیلئے بھی اپنی حلیف پارٹیوں کا مرہون منت ہونا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ’مودی میجک‘ کا اثر کم رہا۔ لہٰذا اصولاً اگر کامیابی کا سہرا کسی فرد واحد کے سر جاتا ہے تو ناکامی کیلئے کسی اور کو موردالزام کیونکر ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں سب سے زیادہ سیاسی اہمیت کے حامل صوبہ اترپردیش جہاں سے سب سے زیادہ گویا 80 پارلیمان منتخب ہوتے ہیں، وہاں بھی پارٹی کو رام مندر کی تعمیر کے باوجود شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا، حتیٰ کہ رام مندر کے مقام ایودھیا میں بھی بی جے پی کے امیدوار سماجوادی پارٹی کے امیدوار کے مقابلہ میں ہار گئے اور مجموعی طور پر یہ نقصان، بجز چند صوبوں، کم وبیش ہر ریاست میں ہوا، لہٰذا، موصوف قلمکار نے ثاقب لکھنوی کے مشہور زمانہ شعر:

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

کا استعمال بھی برجستگی کے ساتھ کیا ہے!

وہیں دوسری جانب محمد عباس دھالیوال کے مضمون ’’جمہوری نظام حکومت کے پیچ وخم‘‘ میں ملک کے موجودہ سیاسی منظر کے جس دلچسپ پہلو پر سوال کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ این ڈی اے کی مخلوط حکومت کی پائیداری پر تو اظہار شکوک وشبہات کیا جارہا ہے لیکن اسی زاویہ سے ’انڈیا-بلاک‘ کو آزاد رکھا جارہا ہے جبکہ وہ بھی مخلوط ہی ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ سیاسی اتحادوں کی بنیاد محض quid pro quo گویا ’لین-دین‘ کے اصول پر مبنی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ تبھی تک جاری رہتا ہے جب تک تمام فریقین ایک دوسرے کی کمر کھجاتے رہتے ہیں۔ جہاں کسی فریق کی انا کو ٹھیس پہنچی، وہ بدظن ہوکر اچانک پالا بدل لیتا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں پیش اندیشے اور خدشات بے بنیاد بھی نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال انڈین نیشنل ڈیولپ مینٹل انکلوسیو الائنس (انڈیا) کو بھی عوامی فیصلہ کے احترام میں قدم سنبھال کر چلنا ہوگا کیونکہ جمہوریت کے سارے کھیل کا دارومدار نمبرات پر مبنی ہے۔ لہٰذا بقول موصوف قلمکار یہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ آیا انڈین نیشنل کانگریس کے زیر قیادت ’انڈیا‘ اپنی جیتی ہوئی 234 نشستوں کے باعث اپنی مضبوط پوزیشن برقرار رکھ پائے گا؟ کیوں کہ سیاست میں کچھ بھی ناممکن نہیں اور کچھ ادھر اُدھر ہونے سے سارا کھیل بگڑ بھی سکتا ہے کیونکہ بقول علامہ اقبال:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!

اظہر علی خاں، شرافت منزل، کوتوالان، رامپور-1

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

اصولِ خالق کل ہے عمل کا ردعمل
سزا نہ ہوتی اگر لغزشیں نہیں ہوتیں
زکوٰۃ روک لی جائے، زنا کی کثرت ہو
تو آسمان سے پھر بارشیں نہیں ہوتیں

تہذیب ابرار

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر وپبلشر **ضیاء قادری** نے نیو ملینیئم پرنٹرس، 14اے سیتارام مل کمپاؤنڈ بی آر بوریچا مارگ ممبئی 011 400 میں چھپواکر، سہارا انڈیا پریوار، 98 اٹلانٹا بلڈنگ، 9ویں منزل، نریمن پوائنٹ، ممبئی 400021 سے شائع کیا۔
Published & Printed by Zia Qadree on behalf of sahara India Mass communication and Printed at New Millennium Printers, 14 A Sitaram Mill compund B R Boricha Marg Mumbai 400 011 and Published from Sahara India Pariwar 98, Atlanta Building, 9th Floor, Nariman Point, Mumbai- 400021
ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد معراج انور* Editor & Group Editor: Abdul Majid Nizami (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: Mohd. Meraj Anwer
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com, editor. saharaurdumedia@sahara.in ■ Advertesment (National): ■ 9891773434, 9899452476 , Email : adsahara@gmail.com
روزنامہ راشٹریہ سہارا
وہاٹس ایپ نمبر: 7304132670 ٹیلی فون نمبر ممبئی آفس: 022_42931881، شعبہ اشتہارات وسرکولیشن: 9967654052، www.roznamasahara.com
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
سال: 18 شمارہ نمبر: 5705 R.N.I.No.MAHURD/2006/20783 Roznama Rashtriya Sahara (MUMBAI) Regd: UP/BR/GZB-208/2015-17
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار